میر تقی میر کی عسکری خدمات

ڈاکٹر عطا رسول (شاکر کنڈان)

Dr. Atta Rasool(Shakir Kandaan)

340-Ghaus Garden, Sargodha.

Abstract:

Mir Taqi Mir was a poet and writer of Urdu (Rekhta) and Persian. There is no doubt that he was one of the poineer of Urdu poetry and language, when urdu language and urdu poetry was at a formative stage. He is also the first writer of biographical dictionary of urdu poets of his era, written in persian . He spent his whole life in the service of kings, nawabs and lords. So according to the rules of that period Mir Taqi Mir was an Army man and he accomplished his duties. He spent his often time in the battlefield. In subject article there'll be explained and clarified the Military services of Mir Taqi Mir.

کہا جا سکتا ہے کہ ولی کو ولی بنانے میں سعد اللہ گلشن اور میر کو میر بنانے میں سید سعادت علی سعادت امروہوی کا ہاتھ ہے اگر ولی کو گلشن اور میر کو سعادت ریختہ کی طرف آنے کا مشورہ نہ دیتے تو آج اردو دان طبقہ جہاں ان کی شاعری سے مستفید ہونے اور حظ اٹھانے سے محروم ہوتا وہیں اردو زبان بھی ولی اور میر سے خالی ہوتی نیز یہ کہ ولی اور میر کو دنیائے اردو نے جو مقام دیا ہے وہ انھیں بھی حاصل نہ ہوتا۔ اردو میں لکھے گئے میر کے دیوان، مثنویاں اور اردو شعرا کا تذکرہ ''نکات الشعراء'' نے میر تقی میر کو دنیائے اردو میں حیاتِ جاوداں بخش دی۔ لیکن اِس میں میر کی جہدِ مسلسل اور زندگی کی کٹھنائیوں کا عمل دخل بھی ہے۔ وہ شخص جس نے مفلسی، یتیمی، اپنوں کی لاتعلقی، عزیز و اقارب کی بے رُخی، رنج و غم، ناکام عشق، نامساعد حالات، مسلسل سفر کی اذیت، ذہنی کرب، جنون کی کیفیت، معاشی پریشانی اور جنگ کی تباہ کاریوں کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوں اُس کے کتھارسس کے عمل سے ایسی ہی توقع کی جا سکتی ہے جو ہم میر تقی میر کی شاعری میں دیکھتے ہیں۔

میر تقی میر کے ہاں صرف آہ ہی نہیں موضوعات کا تنوع ہے اسی طرح اُن کی زندگی کی بھی کہی جہتیں ہیں جن میں سے ایک جہت عسکری خدمات کی بھی ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ میر (ولادت: ۲۸ مئی ۱۷۲۳ء) جس عہد سے تعلق رکھتے ہیں اُس وقت کی فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جس میں (۱) منصب داری فوج (۲) احدی فوج (۳) داخلی فوج (۴) مستقل فوج اور (۵) باجگزاری راجاؤں کی فوج۔

مختصراً یہ کہ جن کو منصب دیا جاتا تھا وہ منصب داری فوج کا حصہ ہوتے تھے اور متوسل بھی اسی میں شامل تھے۔

احدی فوج بادشاہ کے ذاتی محافظ ہوتے تھے۔ اور یہ شہنشاہ کے زیادہ وفادار ہوتے تھے۔

داخلی فوج میں سرکار کی طرف سے سپاہی بھرتی کیے جاتے تھے۔انہیں شاہی خزانے سے تنخواہ دی جاتی تھی۔
مستقل فوج میں پانچ شعبے پیدل فوج،توپ خانہ،گھوڑسوار، بحری جہاز،اور جنگی ہاتھی شامل تھے۔(۱)

میر تقی میر کئی نوابوں، رئیسوں اور حکمرانوں کے ہاں متوسل اور مصاحب رہے اور ان کے ساتھ کئی بار میدانِ جنگ میں بھی موجود ہوتے تھے لہٰذا آپ منصب داری فوج کا حصہ تھے۔

اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) کے ساتھ ہی مغلیہ حکومت زوال پذیر ہونا شروع ہوگئی۔طوائف الملو کی اور خانہ جنگیوں نے جہاں پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا وہاں دارالحکومت دہلی خاص طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا۔چناں چہ میر نے جب آنکھ کھولی تو مرکزی حکومت ضعیف ہو چکی تھی۔مختلف صوبوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔مرہٹے، روہیلے، جاٹ، سکھ سبھی خودسر ہو گئے تھے۔بدامنی بڑھ گئی تھی۔دہلی کے تخت پر جہاں دار شاہ کا بیٹا روشن اختر محمد شاہ کے خطاب سے براجمان تھا۔اس کی عیاشیوں کے باعث اسے محمد شاہ رنگیلا کہا جاتا تھا۔سو ایسے مخدوش حالات میں میر جب پہلی بار دہلی آئے تو نواب صمصام الدولہ (جو ایک بااثر اور دبدبہ والے امیر تھے) نے آپ کے والد سے تعلق کی بنا پر ایک روپیہ روزانہ کے حساب سے وظیفہ مقرر کر دیا۔آپ کے واپس آگرہ آنے پر بھی یہ وظیفہ انھیں ملتا رہا لیکن ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے جب ہندوستان پر چڑھائی کی تو ''۱۳فروری کو گھمسان کا رن پڑا۔صمصام الدولہ بری طرح زخمی ہو کر ۱۷فروری ۱۷۳۹ء کو وفات پا گئے۔''(۲) جس سے میر کا وظیفہ بھی بند ہو گیا۔

دوسری بار میر جب دلی آئے تو پہلی ملازمت اعتماد الدولہ قمرالدین خان کے نواسے اور داماد رعایت خان سے ملاقات ہوئی تو اُس نے اپنا مصاحب بنا لیا۔ایک ہی سال گزرا تھا کہ احمد شاہ درانی نے لاہور پر حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد دہلی کی جانب بڑھا۔محمد شاہ ان دنوں بیمار تھا لہٰذا اس نے شہزادہ احمد شاہ کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔دیگر امراء کی طرح نواب رعایت خان بھی اس لشکر کا حصہ تھے اور میر اُن کا مصاحب ہونے کی وجہ سے اُس لشکر میں شامل تھے۔میر صاحب جس دستے میں شامل تھے وہ دستہ ۲۵فروری ۱۷۴۸ء کو سرہند پہنچا۔اِس جنگ میں کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ احمد شاہ ابدالی کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔دلی واپس آتے ہوئے شہزادہ احمد شاہ کو محمد شاہ کی وفات (۱۶/اپریل ۱۷۴۸ء) کی خبر ملی۔اس پر ۲۱/اپریل ۱۷۴۸ء کو احمد شاہ نے تختِ دہلی کو سنبھالا۔میر بھی نواب رعایت خان کے ہمراہ دہلی آ گئے لیکن جب بادشاہ نے راجا رنجیت سنگھ کو اجمیر کا صوبے دار مقرر کر کے اُس کے بھائی کی سرکوبی کے لئے سانبھر (راجپوتانہ) روانہ کیا تو رعایت خان بھی اس مہم میں اُس کے ساتھ اور میر تقی میر رعایت خان کے ہمراہ اِس مہم کا حصہ تھے۔اس سفر میں میر اجمیر بھی گئے اور پشکر بھی، جب کہ اسی دوران بخت سنگھ اور رعایت خان کے درمیان صلح کے لئے سفارت بھی کی ۔دہلی واپس آنے کے کچھ دنوں بعد (۱۷۴۹ء) میر تقی میر، نواب رعایت خان سے الگ ہو گئے اور پھر نواب بہادر جاوید خان خواجہ سرا کے ہاں ملازمت اختیار کر لی۔یہ ایک طرح کی اعزازی نوکری تھی۔میر کو یہاں عام سپاہیوں کی طرح گھوڑا رکھنے اور کام سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔اسی اثنا میں میر نے نکات الشعراء تصنیف کی۔جب صفدر جنگ نے جاوید خان خواجہ سرا کو قتل کر دیا گیا تو میر پھر بے کار ہو گئے اور ۱۷۵۲ء میں امیر خان انجام کے پاس چلے گئے۔وہاں چند دن کے قیام کے بعد دیوان مہا نرائن کے ساتھ منسلک ہو گئے لیکن صفدر جنگ نے انھیں اپنے پاس بلوا لیا۔پٹھانوں کے ساتھ جب جنگ ہوئی تو میر تقی میر نواب صفدر جنگ کے ہمراہ تھے۔پٹھانوں سے شکست کے بعد صفدر جنگ شاہ عالم سے بدظن ہو گئے ۔۱۷۵۳ء میں بادشاہ اور وزیر کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور تقریباً ٦ ماہ تک دہلی میں تباہی مچی رہی۔

۱۷۵۴ء میں صفدر جنگ اودھ چلا گیا اور آپ بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ حالات چوں کہ بدستور مخدوش تھے۔ سرداروں تک کو اغوا کیا جا رہا تھا جس سے بادشاہ نے مجبور ہو کر ضابطہ خان پر حملہ کر دیا میر صاحب اس حملہ میں بادشاہ کی فوج کا حصہ تھے۔ پھر بادشاہ نے سکندر آباد کا رُخ کیا اس مہم میں میر شاہی لشکر میں شامل تھے لیکن بغیر جنگ کیے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ بالآخر دہلی واپس آ کر آپ خانہ نشین ہو گئے۔

نہ مل میر اب کے امیروں سے تو ہوئے ہیں فقیر اُن کی دولت سے ہم

عماد الملک نے ۲ جون ۱۷۵۴ء کو احمد شاہ کو تخت سے اتار کر جہاں دار شاہ کے بڑے بیٹے عزیز الدین کو عالم گیر ثانی کا خطاب دے کر مسندِ شاہی پر بٹھا دیا۔ میر، راجہ جگل کشور کے توسل سے مہاراجہ ناگرمل کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ رام بابو سکسینہ کے مطابق:

> ’’خانہ جنگیوں سے دلی کی حالت ابتر ہو رہی تھی اس لوٹ مار کے بعد میر صاحب اپنے لواحقین کے ہمراہ دہلی سے نکل کھڑے ہوئے اور کچھ دنوں برسانہ ضلع متھرا میں قیام کر کے کھمبیر پہنچے جو سورج مل جاٹ کا قلعہ تھا۔۔۔ جاٹوں کی لوٹ مار سے راجہ ناگرمل مع اپنے ہمراہیوں کے کاماں چلے گئے جو راجہ پرتھی سنگھ پسر مادھو سنگھ کا سرحدی مقام تھا۔ میر صاحب بھی اس سفر میں اس کی معیت میں تھے لیکن میر صاحب راجہ سے الگ ہو کر دلی واپس آ گئے اور بادشاہ کے دربار سے منسلک ہو گئے۔‘‘(۳)

افغانستان میں نادر شاہ درانی کے بعد احمد شاہ ابدالی کی حکومت قائم ہو گئی تو اُس نے ۱۷۵۶ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور لاہور سے ہوتا ہوا ۱۷۵۷ء میں دہلی کو تاراج کیا۔ اور ’’دہلی کو خوب لوٹا۔ اُس کے بعد جاٹوں کو شکست دی اور دوآبہ کے لوگوں سے روپیہ وصول کر کے واپس چلا گیا۔ اس کی واپسی کے بعد امیروں نے مرہٹوں کی مدد سے عالمگیر ثانی کو مار کر ایک اور شہزادہ کو تخت پر بٹھایا لیکن اُس کا بیٹے علی گوہر نے اسی دوران الہ آباد میں شاہ عالم کا لقب اختیار کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔‘‘(۴)

یہ بات صرف اتنی ہی نہیں بلکہ اس حملے میں دہلی کو واقعی تاراج کیا گیا۔ قتلِ عام ہوا۔ لوٹ مار کا بازار گرم ہوا۔ دلی کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔ میر نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دلی کے اجڑنے اور لٹنے کے اس منظر نے میر کو تڑپا دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ’’احمد شاہ ابدالی کے حملے کے بعد ایک دن میں ٹہلنے نکلا اور شہر کے تازہ ویرانوں سے گزرا۔ ہر قدم پر روتا اور عبرت حاصل کرتا تھا۔ جوں جوں آگے بڑھا حیرت بڑھتی گئی۔ مکانوں کو شناخت نہ کر سکا۔ کسی عمارت کا پتہ نہ تھا۔ نہ عمارت کے آثار، نہ اُن کے مکینوں کی خبر۔۔۔ گھر کے گھر مسمار تھے اور دیواریں شکستہ، خانقاہیں صوفیوں سے خالی، خرابات رندوں سے، یہاں سے وہاں تک ایک ویرانہ لق ودق۔۔۔ نہ وہ بازار تھے جن کا بیان کروں۔۔۔ بڑے بڑے عالی شان محل خراب، گلیاں معدوم ہو گئیں۔ ہر طرف وحشت برس رہی تھی۔‘‘(۵)

میر تقی میر نے اپنے کئی اشعار میں بھی اس اندوہناک منظر کی تصویر کھینچی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اب شہر ہر طرف سے میدان ہو گیا — پھیلا تھا اس طرح سے کا ہے کو یاں خرابا
اب خرابہ ہوا جہاں آباد — ورنہ ہر اک قدم پہ یاں گھر تھا
دلی تھی طلسمات کی ہر جا گہ میر — ان آنکھوں سے ہم نے کیا کیا دیکھا
زیرِ فلک بھلا تو روئے ہے آپ کو میر — کس کس طرح کا عالم یاں خاک ہو گیا ہے

دلی کی تباہی کے ساتھ وہاں کی معاشی حالت کا بھی جنازہ نکل چکا تھا۔ یہاں تک کہ فوج کو تنخواہ دینے کے لئے خزانے میں ایک پیسہ نہیں تھا۔ ذیل کے اشعار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

مفلسی سے رہا ہے کس میں حال — خورش و خواب ہیں گے خواب و خیال
چار دن عمر کے ہوئے ہیں وبال — زندگی اپنے طور پر ہے محال
مرگ ملتی نہیں ہے خاطر خواہ

فقر و فاقہ کی ہر طرف ہے دھوم — دو تلنگے جہاں ہے واں ہے ہجوم
لشکر اک ہے خرابہ مردم بوم — زندگی کرنے کی طرح معلوم
کہہ رہے ہیں خدا ہی ہے آگاہ

احمد شاہ ابدالی کے جانے کے بعد مرہٹوں نے پھر سر اٹھایا اور ۱۷۵۹ء میں عالم گیر ثانی کو قتل کر کے اورنگ زیب کے پوتے کام بخش کو شاہ جہان ثانی کے لقب سے تخت پر لا بٹھایا۔ اس کے زمانے میں احمد شاہ ابدالی کی فوجیں پھر دلی تک آ گئیں اور تقریباً دس سال تک لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ ہزاروں قتل ہوئے اور بے شمار خاندان شہر چھوڑ کر جنگلوں میں جا چھپے۔ پرانا شہر جو پہلے ہی خاک ہو چکا تھا اُس میں ایک چھوٹا سا گھر جو میر تقی میر کی ملکیت تھا وہ بھی ڈھا دیا گیا اور سامان لوٹ لیا گیا۔

پس از قطع رہ لائے دلی میں بخت — بہت کھینچے یاں میں نے آزار سخت
دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انھیں — تھا کل تلک دماغ جنہیں تاج و تخت کا

راجہ ناگرمل دوبارہ ۱۷۶۱ء میں کُمھیر میں گئے۔ اُن دنوں مرہٹے اور احمد شاہ ابدالی برسرِ پیکار تھے۔ میر ان دنوں سورج مل کے قلعہ (کُمھیر) میں مقیم تھے۔ سورج مل نے مرکز کو کمزور دیکھ کر آگرہ اور اُس کے نواحی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ میر بھی ہمراہ تھے اور ایک مدت کے بعد اپنے وطن کو گئے تھے۔ شاہ عالم نے بھاری لشکر کے ساتھ سرکوبی کا ارادہ کیا تو سورج مل واپس اپنے قلعوں کو لوٹ گیا اور میر کو امن کے سفیر کے طور پر شاہ عالم کے پاس بھیجا۔ جنہوں نے دونوں کے درمیان صلح کرا دی۔ اب سورج مل کا بیٹا جواہر سنگھ جاٹوں کا سردار تھا۔ ۱۷۶۵ء میں جاٹوں نے مرہٹوں پر دھاوا بول دیا اور آگرہ میں آ کر بیٹھ گیا۔ راجہ ناگرمل جو دیگ میں تھا جواہر سنگھ سے ملنے کو آیا تو میر بھی اس کے ہم رکاب تھے۔ شاہ عالم فرخ آباد گیا ہوا تھا۔ ناگرمل نے میر کو سفیر بنا کر بھیجا اور صلح ہو جانے کے بعد میر شاہی فوج کے ساتھ دہلی آ گئے۔ ۱۷۷۲ء میں شاہ عالم ضابطہ خان کی سرکوبی کے لئے سکرتال پہنچ گیا تو میر رائے بہادر سنگھ کے دستے میں شاہی فوج میں شامل تھے۔ ضابطہ خان بھاگ گیا تو شاہی قافلہ واپس آ گیا سو میر بھی واپس دہلی آ گئے۔ میر اب گوشہ نشین ہو گئے لیکن جنوری ۱۷۷۵ء میں نواب آصف الدولہ نے اودھ کی حکومت سنبھالنے پر نواب سالار جنگ کو ایک دن کہا کہ میر لکھنؤ کیوں نہیں آ جاتے۔ سو اُن کی لکھنؤ جانے کی راہ ہموار ہو گئی اور میر لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ لکھنؤ پہنچ کر پہلے نواب سالار جنگ سے ملے۔ بعد میں نواب آصف الدولہ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اپنے مصاحبوں میں شامل کر لیا۔ مولانا محمد

حسین آزاد لکھنؤ پہنچنے کے بعد ایک محفل میں میر کی شرکت کا احوال میں اُن کی وضع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''۔۔۔کمر میں ایک طرف سیف یعنی تلوار، دوسری طرف کٹار، ہاتھ میں جریب، غرض جب داخلِ محفل ہوئے تو وہ شہر لکھنؤ، نئے انداز نئی تراشیں، بانکے ٹیڑھے جوان جمع، انہیں سب دیکھ کر ہنسنے لگے۔۔۔ بعض اشخاص نے پوچھا، حضور کا وطن کہاں ہے۔ میر صاحب نے یہ قطعہ فی البدیہہ کہا:

کیا بود و باش پوچھو ہو! پورب کے ساکنو　　ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا، عالم میں انتخاب　　رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا　　ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے''(۶)

اس سے یہ ثابت ہوا کہ میر صاحب ہتھیار بند رہا کرتے تھے اور وہ اپنی روش سے سپاہی دکھائی دیتے تھے۔ اس حلیے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ تلوار بازی بھی بہت اچھی طرح جانتے ہوں گے نیز جو لوگ کہتے ہیں کہ میر گھوڑ سواری سے نابلد تھے۔ اس کا جواب مسعود حسن رضوی ادیب نے ایک مختصر سے فقرے میں یوں دیا ہے: ''میر شہسواری جانتے تھے مگر گھر میں گھوڑا نہ تھا۔''(۷)

نواب آصف الدولہ رزم کے آدمی تھے۔ وہ جب بھی میدانِ جنگ میں گئے، ایک مصاحب کی حیثیت سے میر اُن کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ نواب جب شکار کے لئے بہرائچ گئے تو میر صاحب اُس وقت بھی ہم رکاب تھے۔ میر نے اُس وقت نواب کی تعریف و توصیف میں اور شکار سے متعلق ایک مثنوی ''شکار نامہ'' موزوں کی۔ اسی طرح نواب کے جو قصائد میر صاحب نے لکھے اُن میں نواب آصف الدولہ کی کئی خوبیوں کو موضوعِ بحث بنایا۔ ایک قصیدہ میں سے نواب آصف الدولہ کی جرأت اور دلیری کے حوالے سے بیان کیے گئے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جس سحر جرأت سے کھینچی اس نے تیغ　　ڈھال رکھے منھ پہ نکلا آفتاب
رزم کے عرصہ میں ہل چل پڑ گئی　　آسماں کے خیمے کی کانپی طناب
مدعی گر کوہ تھا مارا اکھاڑ　　در زمیں تھا بے سکوں پایا شتاب
دیو تھے گو معرکے میں بے شمار　　ایک ٹھہرا ہو مقابل کیا حساب(۸)

اب میر صاحب کی عمر بھی بہت زیادہ ہو چکی تھی۔ وہ سفر کی مشقتوں اور میدانِ جنگ کی شدتوں کو برداشت کرنے سے قاصر تھے لہٰذا وہ گوشہ نشین ہو گئے اور اسی عالم میں لکھنؤ میں تقریباً ۳۱ سال گزار کر ۲۰ ستمبر ۱۸۱۰ء کو راہیِ عدم ہوئے اور لکھنؤ کے مشہور قبرستان اکھاڑا بھیم راؤ میں سپرد خاک ہوئے۔ ناسخ نے ''واویلا مُردشہِ شاعراں'' سے تاریخ وفات ۱۲۲۵ھ نکالی ہے جب کہ کلیاتِ میر کے مقدمہ میں عبدالباری آسی نے ۱۸۰۸ء لکھا ہے۔ جو غلط ہے کیوں کہ ۱۲۲۵ھ میں تقویمِ تاریخی کے مطابق ۱۸۱۰ء کا سن بنتا ہے۔(۹) مزید کئی اختلافات کلیاتِ میر میں بیان کیے گئے ہیں۔

پروفیسر مظفر حنفی نے میر کی ساری زندگی کو چند الفاظ میں بڑی خوبصورتی سے بیان کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اُس شاعر نے جسے عموماً گوشہ نشین اور مردم بیزار تصور کیا گیا، اپنے ہم عصر شاعروں میں سب سے زیادہ سفر کیے اور تقریباً پچیس برسوں تک متعدد امراء کی سرکاروں میں ملازمت

کی۔ کہیں سپاہی کی حیثیت سے، کہیں مصاحب کے طور پر۔ انہوں نے جنگوں میں شرکت بھی کی اور سفارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ زمانے کے نشیب وفراز کو کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں۔ اپنے گھر کی مسماری کا منظر دیکھا۔ دلی کو بار بار اجڑتے اور لٹتے دیکھا۔ لاکھوں آدمیوں کا قتلِ عام اُن کے سامنے ہوا۔ بادشاہوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھرتے دیکھا۔''(۱۰)

گویا میر تقی میر نے زندگی کو جتنا قریب سے دیکھا اتنا شاید ہی قسمت کسی پر مہربان ہوئی ہو۔ انھیں والد کی وفات کے بعد سے ہی قسمت نے ہر طرح کے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور انھوں نے جیسے تیسے اس کی لاج بھی رکھی۔

حوالہ جات

۱۔ انوار ہاشمی، تاریخ پاک وہند، کراچی: کراچی بک سنٹر، س ن، ص: ۲۸۰

۲۔ نثار احمد فاروقی، میر تقی میر، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص: ۳۱

۳۔ سکسینہ، رام بابو، تاریخ ادبِ اردو، مترجم: مرزا محمد عسکری، لکھنؤ: مطبع نول کشور، س ن، ص: ۱۷۳

۴۔ عبدالرشید، شیخ، پروفیسر، تاریخ ہند، علی گڑھ: پی سی دوادش شرینی اینڈ کمپنی، س ن، ص: ۳۰۴

۵۔ مظفر حنفی، پروفیسر، مونوگراف میر تقی میر، بحوالہ ذکرِ میر از میر تقی میر، دہلی: اردو اکادمی، ۲۰۰۹ء، ص: ۶

۶۔ آزاد، محمد حسین، مولانا، آبِ حیات، لاہور: نول کشور پرنٹنگ ورکس، ۱۹۰۷ء، ص: ۱۹۶

۷۔ فیض میر، میر تقی میر، مرتبہ: مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنؤ: نظامی پریس، س ن، ص: ۸

۸۔ میر تقی میر، کلیاتِ میر، مرتبہ: عبدالباری آسی، لکھنؤ: مطبع نامی منشی نول کشور، ۱۹۴۱ء، ص: ۱۷۷

۹۔ عبدالقدوس ہاشمی، مرتبہ: تقویمِ تاریخی، اسلام آباد: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بار دوم، ۱۹۸۷ء، ص: ۳۰۷

۱۰۔ مظفر حنفی، پروفیسر، مونوگراف میر تقی میر، بحوالہ ذکرِ میر از میر تقی میر، ص: ۲۷

☆......☆......☆